Urdu Nama-2
Refreed Journal
ISSN No. 2320-4885
Vol.2- No.2, Nov. 2013 to April, 2014

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت

اس بات سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ قدیم دور کے نادر و نایاب مجرب نسخے ہی بنیاد ہیں دورِ جدید کی ترقی یافتہ دواؤں کی۔ مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دیجیے کہ ہمارے ادب کی بہت سی نایاب اصناف آج کمیاب صرف اس لیے ہو گئیں کہ ہم حد سے زیادہ سہل پسند ہو گئے ہیں اور ہمارا یہ تساہل ہمیں عرق ریزی کے جوہر سے نا آشنا کر چکا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم ہر اس صنف سے گریز کرنے لگے جس صنف میں عرقِ دماغ کی آمیزش ناگزیر ہے۔

تحریکیں اور رجحانات جہاں ادب پر چھا جانے والے جمود کی پرت کو توڑنے کا خوش گوار فریضہ انجام دیتے ہیں وہیں وہ اپنے جلو میں بے شمار نئی اصناف بھی لاتی ہیں جن میں بیشتر اصناف ردّ و قبول کے مرحلے سے گذر کر خود بخود حاشیے میں چلی جاتی ہیں لیکن کچھ اصناف اپنی ہمہ گیری کے سبب عوام میں قبولیت کی سند پاتی ہیں۔

یہاں جس قدیم فن کا ذکر مقصود ہے وہ ''فنِ تاریخ گوئی'' ہے جیسی ہم آج بھلاتے جا رہے ہیں لیکن آج بھی ایسے ادیب و شاعر موجود ہیں جنہوں نے ہوا کے رخ کے ساتھ

ساتھ چلنے کے بجائے مخالف سمت میں چلنا مناسب سمجھا۔ان ادیبوں اور شاعروں میں ڈاکٹر مغیث الدین فریدی خاص اہمیت کے حامل ہیں جنہوں نے پچھلے چالیس پچاس سالوں میں غزلوں کے علاوہ تضمین نگاری اور تاریخ گوئی جیسے قدیم فن کو جلا بخشی اور نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔فریدی صاحب کی تاریخ گوئی پر گفتگو کرنے سے پہلے تاریخ گوئی کے فن اور اس کی روایت کی یاد تازہ کر لی جائے۔

تاریخ کے لغوی معنی ہیں ''وقت ظاہر کرنا'' یا ''وقت پیدا کرنا'' یا ''واقعاتِ زمانہ کا بیان'' وغیرہ۔مورخین کی اصطلاح میں کسی قدیم و مشہور واقعہ کی مدّت معیّن کرنے کو تاریخ کہتے ہیں۔ جیسے کسی بادشاہ کا تخت نشیں ہونا، بادشاہ کی کسی عظیم جنگ یا عظیم کارنامے، شکارگاہ میں کوئی خاص حادثہ کی مدّت متعین کرنا وغیرہ۔

چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور تسخیر کائنات کا مجاز رکھتا ہے۔اس لیے اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک کارنامے انجام دیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے تمام کارناموں کو دنیا یاد رکھے۔یہی وجہ ہے کہ قدیم عمارتوں پر سنِ تعمیر اور معماروں کے نام کھدوا دیے جاتے تھے تا کہ ان عمارتوں کی مختصر تفصیل ہمیشہ باقی رہے لیکن جس طرح ان عمارتوں کے بنانے اور بنوانے والے خاک میں مل جاتے ہیں اسی طرح ایک خاص مدّت کے بعد ان عمارتوں کے نام ونشان بھی باقی نہیں رہتے لیکن ان عمارتوں کی تفصیل نثر یا نظم کی صورت میں کاغذ کے اوراق میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔یہاں جس فن کی بات کی جارہی ہے وہ دراصل فن تاریخ گوئی ہے، جس میں سنہ وسال یاد رکھنے کے لیے عدد کو الفاظ کا سہارا دیا جاتا ہے اور شعر سے اس کا رشتہ جوڑ دیا جاتا ہے تا کہ قوتِ حافظہ آسانی سے اسے اپنے نہاں خانوں میں محفوظ کر لے۔

مشرق میں آریائی اور سامی قوموں نے اعداد اور حروف کو خدا تعالیٰ کا عطیہ قرار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ عربی زبان کے علاوہ سنسکرت زبان میں بھی حروف کی قیمت قدیم

زمانے سے معین و مقرّر ہے۔ حروف کی معینہ و مقرّرہ قیمت کو عربی میں ابجد کہتے ہیں جو اٹھائیس حروف پر مشتمل ہے اور ہر حرف کی مسلّمہ قیمت ہے۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق تمام علوم و فنون کا سرچشمہ ذاتِ ربانی ہے۔ حروف، علم الاعداد اور ہندسے وغیرہ اُسی سرچشمہ سے وجود میں آئے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حروف کی قیمت سب سے پہلے حضرت آدمؑ پر منکشف ہوئی جو ابجدِ آدم کہلائی بعد میں یہی ابجد ایک نئی صورت میں حضرتِ نوحؑ پر منکشف ہوئی جو ابجدِ نوحی کے نام سے مشہور ہوئی اور یہی تاریخ گوئی کی بنیاد بنی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ابجد حضرتِ ادریسؑ پر اور تیسری روایت کے مطابق حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ حضرتِ علیؓ کے ایک شاگرد ابوادریس احمد بن احمد کوفی نے ابجد ایجاد کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اصحابِ رسولؐ میں سے حضرتِ ایوب انصاریؓ کے مقبرے پر سال رومن حروف میں درج تھا جسے دیکھ کر حضرت ابوادریس احمد بن احمد بن کوفی کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ جملہ حروف تہجی کی قیمت مقرّر کی جائے لہٰذا انہوں نے عربی حروفِ تہجی کی نئی ترتیب دے کر ہر حرف کی جداگانہ قیمت متعین کر دی۔

حروف، علم الاعداد اور ہندسے کے وجود میں آنے سے متعلق جتنی باتیں کی گئیں وہ تمام عقیدوں اور روایتوں کی روشنی میں کی گئیں لیکن تاریخی اور تحریری شواہد کی روشنی میں اب تک کوئی تحقیق عمل میں نہیں آئی ہے۔ ممکن ہے اس سے متعلق کوئی تاریخی اور تحریری شواہد موجود نہ ہوں یا اگر ہوں تو ان تک تحقیق نگاروں کی رسائی نہ ہو پائی ہو لیکن قیاس اور عقل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حروف، اعداد اور ابجد کے موجد اہل عرب ہی تھے۔ کیونکہ اہل مغرب نے حروف اور ہندسہ کی تعلیم اہل مشرق سے ہی سیکھی ہے۔ یونانیوں نے مصریوں سے علم ہندسہ سیکھا اور یوروپ نے مصر سے تصویری طرزِ تحریر مستعار لیا۔ اسی طرح مغرب نے مشرق سے فن تاریخ مستعار لیا۔ لیکن یہ فن مغرب میں مشہور و مقبول نہیں ہو سکا کیونکہ

اہلِ مغرب نے اسے محض تفریحی مشغلے کے طور پر استعمال کیا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کے تمام حروف کی قیمت متعین نہیں کی رومن حروفِ تہجی کے صرف سات حروف کی قیمت متعین کی گئی ہے۔ مثلاً (I=1)، (V=5)، (X=10)، (L=50)، (C=100)، (D=1000) اور (M=10000) اس میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ بڑے عدد کے بائیں جانب چھوٹا عدد لکھنے سے قیمت گھٹتی ہے اور دائیں جانب لکھنے سے بڑھتی ہے۔ مثلاً XL =40 اور LX =60 اسی طرح MC=10100۔ انگریزی میں تاریخ گوئی کو "کرونوگرام" (Chrono Gram) کہتے ہیں۔

آریائی قوموں میں ہنود کافی تعلیم یافتہ قوم مانی جاتی تھی جس کا دعویٰ تھا کہ سنسکرت دنیا کی سب سے قدیم زبان ہے جس میں ویدِ مقدس نازل ہوئے اور یہ دیوتاؤں کی بھی زبان رہی ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق سنکیت وڈیا ایک قدیم علم ہے جس کے تحت سنسکرت حروفِ تہجی کی قیمت متعین کی گئی تھی۔ اسی سنکیت وڈیا کے مطابق ہندسہ کو حروف پر فوقیت حاصل ہے یعنی ہندسہ پہلے اور حروف بعد میں وجود میں آئے۔

اس وڈیا کے مطابق سنسکرت حروف کی تعداد چھتیس ہیں۔ اور ان میں سے ہر حرف کی قیمت متعین ہے۔ جس میں "ب" ایک کے برابر اور "پھ" دس سنکھ کے برابر ہے۔

اُردو تاریخ گوئی کی بنیاد عربی ابجد پر ہے جس میں ایک سے ہزار تک کے اعداد شامل ہیں جس کی مدد سے کسی بھی نظامِ تقویم میں تاریخ نکالی جا سکتی ہے خواہ وہ ہجری تاریخ ہو یا عیسوی یا فصلی یا بکرمی۔ ابجد کی ترتیب میں آٹھ بامعنی کلمے ہیں جن میں عربی کے تمام حروف شامل ہیں۔ مثلاً ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ اور ضظغ۔ ان کے اعداد کی ترتیب اس طرح ہے۔

ی	ط	ح	ز	و	ہ	د	ج	ب	ا
10	9	8	7	6	5	4	3	2	1

ک ل م ن س ع ف ص

20 30 40 50 60 70 80 90

ق ر ش ت ث خ ذ

100 200 300 400 500 600 700

ض ظ غ

800 900 1000

ان کلموں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ابا جاد نامی ایک بادشاہ تھا، اسی کے نام کا مخفف ابجد ہے اور باقی سات کلمے اس کے سات بیٹوں کے نام ہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مرامر نامی ایک شخص نے لکھنا ایجاد کیا اور یہ آٹھوں کلمے اس کے آٹھ بیٹوں کے نام ہیں۔ بعض علما کے مطابق وہ آٹھوں کلمے سلاطین کے ناموں سے تعبیر ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق ان کلموں کے مخصوص معنی ہیں مثلاً

(1) ابجد: یعنی آغاز کیا (۲) ہوز: یعنی مل گیا (۳) حطی: یعنی واقف ہوا (۴) کلمن: یعنی سخن گو ہوا (۵) سعفص: یعنی اس نے سیکھا۔ (۶) قرشت: یعنی ترتیب دیا گیا (۷) ثخذ: یعنی نگہبانی کی (۸) ضظغ: یعنی تمام کیا۔ اسی طرح صاحب غیاث اللغات کا قول ہے کہ: (۱) ابجد: یعنی آدم پائے گئے گناہ میں (۲) ہوز: یعنی پیروی کی آدم نے ہوائے نفسانی کی (۳) حطی: یعنی محو کیا گیا ان کا گناہ توبہ واستغفار کی وجہ سے (۴) کلمن: یعنی کلام کیا ایک ایک کلمے سے، پس قبول ہوئی ان کی توبہ پروردگار کی حرمت سے۔ (۵) سعفص: یعنی تنگ ہوئی دنیا ان پر لہٰذا انہیں بہت کچھ دیا گیا۔ (۶) قرشت: یعنی اعتراف کیا اپنے گناہ کا، چنانچہ مشرف بہ کرامت ہوئے۔ (۷) ثخذ: یعنی حاصل کی اللہ سے قوت۔ (۸) ضظغ: یعنی جاتا رہا شیطان کا دباؤ ان پر سے بہ سبب کلام حق و توحید کے۔

صوفیائے کرام کے مطابق دنیا کے وجود میں آنے سے پہلے آواز موجود تھی۔ یہاں

تک کہ یہ دنیا اس وقت وجود میں آئی جب خدا نے کہا ''کُن''، یعنی ہو جا اور فیکن یعنی ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آواز میں گہرے معنی چھپے ہوئے ہیں جہاں انسانی ذہن کی رسائی نہیں ہو سکی۔ مثال کے طور پر قرآن شریف میں حروفِ مقطعات۔ حروفِ مقطعات میں آلٓمٓ اور حٰمٓ وغیرہ، جس کے معنی آج تک کوئی نہیں بتا سکا۔ اسی لیے بعض صوفیائے کرام اور علما کا خیال ہے کہ کتب سماوی میں باطنی علوم کا ایک ابدی چشمہ جاری ہے لیکن انسانی ذہن حکمتِ الٰہی تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

تاریخ گوئی جب ایران میں رائج ہوئی تو ایرانیوں نے اصولِ ابجد کی پیروی کی لیکن فارسی کے حروف کو عربی کی طرز پر تبدیل کر دیا۔ فارسی کے چند حروف ایسے تھے جو عربی ابجد میں شامل نہیں تھے مثلاً پ، ٹ، چ اور گ۔ فارسی کے حروف کو ان کے متشابہ حروف ب، ت، ج اور ک کے متبادل قرار دیا گیا۔ اسی طرح ہندوستان میں جب تاریخ گوئی کا رواج ہوا تو ہندی کے حروف ڑ، ژ اور ڈ کو ان کے متشابہ عربی حروف ر، ز اور د کے متبادل قرار دیا گیا۔ اس طرح فارسی اور ہندی کے حروف کی قیمت وہی مان لی گئی جو عربی ابجد کے حروف کی تھی تا کہ تاریخ گوئی میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔ عربی ابجد میں حروف تہجی کی تعداد ۲۸ ہے لیکن اردو میں حروف تہجی کی تعداد باون (۵۲) ہے۔

ا ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز زھ ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و ہ ی ے۔

تاریخ کہتے وقت اعداد کا شمار اس طرح سے کیا جاتا ہے۔

ب+ہ=بھ　پ+ہ=پھ　ت+ہ=تھ　ٹ+ہ=ٹھ　ج+ہ=جھ

چ+ہ=چھ　د+ہ=دھ　ڈ+ہ=ڈھ　ر+ہ=رھ　ڑ+ہ=ڑھ

ز+ہ=زھ　ک+ہ=کھ　گ+ہ=گھ　ل+ہ=لھ　م+ہ=مھ

ن+ ہ= نھ

ہمزہ کا کوئی عدد نہیں ہوتا ہے کیونکہ تاریخ گوئی کی بنیاد ابجد پر کتابت کے اعتبار سے قائم ہے نہ کہ صوت و تلفظ کے اعتبار سے۔ ہمزہ محض الف متحرک کی علامت ہے حرف کی نہیں اسی طرح مد (~) اور اعراب (ا) آوازِ الف کی علامتیں ہیں اس لیے ہمزہ (ء)، مد (~) اور اعراب (ا) حروف تہجی میں شامل نہیں ہیں مثلاً اب اور آب ان دونوں لفظوں کے صرف تین ہی عدد شمار کیے جائیں گے۔ اسی طرح عیسٰی، موسٰی اور اسحٰق پر جو علامت بطور اعراب (الف مقصورہ) بنا دی جاتی ہے اس کا شمار حروف میں نہیں کیا جائے گا۔ عدد صرف اس حرف کا لیا جائے گا جس پر یہ علامت واقع ہے۔ اسی طرح لفظ ''آم'' میں ''آ'' کے صرف ایک الف کا عدد شمار کیا جائے گا اسی طرح حرفِ مشدّد کو بھی ایک ہی مانا جاتا ہے۔ مثلاً اوّل میں ایک 'ؤ' کو لیا جائے گا اور اس کے اعداد ۳۷ محسوب کیے جائیں گے لیکن اللہ میں دو لام (ل) لیے جائیں گے اور اس کے اعداد ۶۶ ہوں گے اس کی وجہ غرائب الجمل میں شمس العلماء نواب عزیز جنگ والا نے یہ بتائی ہے:

> ''لفظ اللہ کے رسم الخط میں ال ل ہ چار حرف ہیں۔ اس کا اصل لفظ الالہٰ تھا۔ قاعدہ عربی کے لحاظ سے تعلیل جاری ہوئی۔ یعنی الف دوم کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی گئی اور ہمزہ کو گرا دیا گیا اللہ ہوا۔ اب دو لام متحرک جمع ہوئے۔ اوّل کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کیا اللہ ہوا اس تعلیل کے لحاظ سے لفظ اللہ کی کتابت لام مشدّد کے ساتھ مثل الہ کے ہونی تھی لیکن رسم الخط فرقانی نے باوجود اس کے دونوں لام کو کتابت میں قائم رکھا بنا علیہ اہل جمل نے بالاتفاق اللہ کا عدد ۶۶ مانا ہے اور اس میں تشدد کے لحاظ سے دو لام محسوب ہوئے۔'' (صفحہ ۹۲)

اردو میں تائے دو طرح سے لکھا جاتا ہے ایک کو تائے طویلہ (ت) اور دوسرا تائے مدوّرہ (ۃ) کہا جاتا ہے۔ تائے مدوّرہ میں چھوٹی ''ہ'' کے اوپر دو نقطے لگے ہوتے ہیں۔ جیسے

لفظ مراۃ الغیب میں ''ۃ'' تائے مدوّرہ ہے۔ اسی طرح لفظ ''رات'' میں ''ت'' تائے طویلہ ہے جو حروف تہجی میں شامل ہے۔ اس لیے اس کے چار سو عدد لیے جائیں گے لیکن تائے مدوّرہ میں ''ۃ'' کے چار سو عدد لینا غلط ہے۔ اس کے صرف پانچ عدد لیے جائیں گے۔ کیونکہ ابجد میں صرف حروف مکتوبی کے اعداد لینا درست ہے۔ حضرت امیر مینائی کے دیوان اوّل کا تاریخی نام مراۃ الغیب ہے جس سے ۱۲۸۹ء برآمد ہوتا ہے۔

مطلوبہ تاریخ برآمد کرنے کے لیے حروف کے جس مجموعہ کے اعداد شمار کئے جاتے ہیں وہ ''مادہ'' کہلاتا ہے۔ مادہ تاریخ کسی شعر کا بامعنی اور موزوں مصرع بھی ہوسکتا ہے یا بے معنی اور ناموزوں حرفوں یا لفظوں کا مجموعہ بھی۔ وہ مادۂ تاریخ جس کے اعداد میں کمی یا بیشی نہیں پائی جاتی اور مادے سے وہی سال برآمد ہوتا ہے جس کا اظہار تاریخ گو کو مقصود ہوتا ہے تو ایسے مادۂ تاریخ کو سالم الاعداد کہتے ہیں جو نفسہٖ کامل ہوتا ہے۔

تاریخ گوئی ایک فطری اور خداداد صلاحیت ہے جس کا ملکہ ایک معمولی انسان کو بھی ہوسکتا ہے اور ایک باکمال شاعر کو بھی لیکن ایسا ناموزوں مادۂ تاریخ جو بے وزن مصرعے یا لفظوں کی صورت میں ہوتا ہے وہ بے اثر اور بے کیف ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی مادۂ تاریخ جس سے مطلوبہ سن بھی برآمد ہوتا ہو اور شعریت سے بھی بھرپور ہو تو ایسی تاریخیں الہامی کہلائیں گی اور انہیں پڑھ کر یا سن کر وجد طاری ہوجاتا ہے اور انسان حیران رہ جاتا ہے۔

تاریخ گوئی ایک فن ہے جسے شعری اصناف سخن میں شمار نہیں کیا جاتا لیکن تاریخی قطعے بے مثال ہوتے ہیں، ان کی دلکشی و نغمگی کو دیکھتے ہوئے اس فن کو شعری اصناف کا لافانی حصہ قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔ بقول کسریٰ منہاس:

''ایسی تاریخیں موزوں تر کہلائیں گی جن سے صحیح اعداد بھی برآمد ہوتے ہوں اور فنِ شاعری کے اعتبار سے بھی قطعہ تاریخ مستحسن اور قابل تعریف ہو۔ اس کی مثال ایک خوبصورت جسم اور ایک لطیف روح کی سی ہے ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ جسم

بد ہیئت ہو لیکن اس کے اندر جو روح ہے وہ لطیف و پاکیزہ ہو۔"

تاریخ گوئی کی جب ابتدا ہوئی اور یہ فن مقبول و مشہور ہونے لگا تو تاریخ گو حضرات کی سہولت کے لیے اس قسم کے لغات بھی مرتب کئے گئے جن کی مدد سے مادۂ تاریخ بہ آسانی برآمد کیا جا سکے۔ ان لغات میں ارکان تاریخ، آئینہ تواریخ، گنجینہ تواریخ، گلشنِ خیال، ام التواریخ، گلبن تاریخ اور عدد التاریخ وغیرہ خاص ہیں۔ لیکن تاریخ گو شعراء کے لیے خود اپنی کوشش سے تاریخ برآمد کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے بلکہ اکثر و بیشتر تاریخ گو شعراء چلتے پھرتے تاریخ کہہ دیتے ہیں اور فن کاری کے بہتر سے بہتر نمونے پیش کر دیتے ہیں جن میں طرح طرح کی رعایات بھی برتی جاتی ہیں۔ ویسے فنِ تاریخ کے ماہرین کے مطابق تاریخیں تین طرح سے نکالی جاتی ہیں (۱) صوری (۲) معنوی اور (۳) صوری و معنوی

(۱) صوری ایسا اسلوبِ تاریخ گوئی ہے جس میں مطلوبہ سنِ تاریخ واضح طور پر سیدھے سادے لفظوں میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس اسلوب تاریخ گوئی میں مادۂ تاریخ کے حروف کے اعداد کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ مثلاً شیخ سعدیؒ نے اپنی مشہور کتاب "گلستاں" کی تاریخ اس طرح نکالی ہے۔

دراں مدّت کہ مارا وقت خوش بود
زہجرت شش صد و پنجاہ و شش بود

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں "گلستاں" کا سالِ تصنیف ۶۵۶ھ واضح لفظوں میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

(۲) معنوی طریقۂ تاریخ، صوری طریقہ تاریخ کے برعکس ہے۔ معنوی طریقہ کے مطابق تاریخ حساب ابجد یعنی مادۂ تاریخ کے حروف کے اعداد کے ذریعے نکالی جاتی ہے۔ دراصل یہی طریقۂ تاریخ فنِ تاریخ گوئی کہلاتا ہے۔ (۳) صوری و معنوی طریقۂ تاریخ بے حد مشکل مانا جاتا ہے کیونکہ اس میں صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے تاریخ نکالی جاتی ہے۔ داغ دہلوی کی

وفات پر ان کے ایک شاگرد حیرتؔ نے اسی طریقہ سے تاریخ نکالی ہے۔ قطعۂ تاریخ ملاحظہ ہو:

کیوں نہ ہو اس غم سے جگر پاش پاش
آج ہوئے حضرتِ استاد فوت
حیرتؔ دل خستہ یہ تاریخ ہے
تیرہ سو بائیس کہو سالِ موت

۱۳۲۲ھ

آخری مصرع سے دونوں طریقۂ تاریخ صوری و معنوی سے داغ کی وفات کی تاریخ ۱۳۲۲ھ نکلتی ہے۔

معنوی طریقہ تاریخ سے موزوں ترین، خوبصورت اور آسان تاریخیں آج بھی نکالی جاتی ہیں لیکن جس طرح اردو کے بعض شاعروں کے کلام میں خیال آرائی، قافیہ پیمائی اور صنعت گری کا طلسم پایا جاتا ہے اسی طرح بعض تاریخ گو شعرا کے قطعاتِ تاریخ میں بھی صنائع بدائع کا ایسا استعمال کیا گیا کہ یہ فن معمہ و چیستان بن گیا۔ ان میں چند صنعتیں تو ایک طرح کا گورکھ دھندا ہیں۔ بے جا اور بے محل خیال آرائی، قافیہ پیمائی اور صنعت گری جس طرح اردو شاعری کی دلکشی اور تاثیر ختم کر دیتی ہیں۔ اسی طرح صنعتوں کا بے جا استعمال فن تاریخ گوئی کی دلکشی کو مجروح کر دیتا ہے۔ تاہم علم بدیع کے حوالے سے جو صنعتیں عام طور پر مروج ہیں اور آج بھی برتی جاتی ہیں ان کا ذکر کرنا یہاں مناسب ہے۔ مثلاً:

(۱) صنعتِ منقوطہ یا صنعتِ اعجام یا صنعتِ معجمہ — جیسے کلیاتِ قدرِ بلگرامی کی تاریخ طباعت قیام الدین نیر نے اس طور پر کہی " — نظمِ قدرِ بلگرامی بہتر از درِ یتیم"

اس مصرعے کے صرف نقطے دار حروف یعنی ن، ظ، ق، ب، ت، ز، ي، ت، ي سے سالِ مطلوبہ ۱۸۹۱ء برآمد ہوتا ہے۔

(۲) صنعتِ مہملہ یا صنعتِ غیر منقوطہ یا صنعتِ ایمال — اس طریقہ کار میں صرف

غیر نقطے دار یا غیر منقوطہ حروف کے اعداد سے مطلوبہ تاریخ برآمد کی جاتی ہے۔ مثلاً جلال لکھنوی کے دیوانِ اوّل کی تاریخ طباعت اس مصرع سے برآمد کی گئی ہے ــــ ''سرورِ ہر دل والا گہر، اس کو کہہ'' اس مصرع میں تمام حروف غیر نقطے دار ہیں جس کے اعداد کا شمار ۱۳۰۰ھ ہے۔

(۳) صنعت مسروری ــــ ایسے حروف جن کے تلفظ کے آخر میں عربی و فارسی کے مطابق الف آتا ہے جیسے ب، ت، ث کا تلفظ عربی و فارسی میں با، تا اور ثا کہا جائے تو ایسے حروف کو اصطلاح میں مسروری کہتے ہیں اور ان حروف کی مدد سے تاریخ نکلتی ہے تو وہ صنعتِ مسروری کہلاتی ہے۔

(۴) صنعت ملفوظی ــــ ایسے حروف جن میں اصل حرف کی آواز کے ساتھ تلفظ میں بعض دوسری آوازیں یا حروف بھی شامل ہو جاتے ہیں مثلاً ا، ج، د وغیرہ جن کا تلفظ اگر الف، جیم اور دال کی طرح کیا جائے تو ان کا اصطلاحی نام حروف ملفوظی ہے اور اگر اس طرح کے حروف کی مدد سے تاریخیں نکالی جائیں تو اسے صنعتِ ملفوظی کہا جائے گا۔

(۵) صنعتِ مکتوبی ــــ حرف م، ن اور و کو جب ملفوظی صورت یعنی میم، نون اور واو کی شکل میں لکھے جائیں تو ان کے تلفظ کے شروع اور آخر میں گھوم پھر کر وہی اصلی حرف آجاتا ہے جسے اصطلاح میں حروف مکتوبی کہتے ہیں اور اگر ان حروف کے اعداد سے تاریخ نکالی جائے تو اسے صنعت مکتوبی کہتے ہیں۔

(۶) صنعتِ زُبر ــــ حروف مروری کے پہلے حرف کو زُبر کہتے ہیں۔ جیسے ب کا تلفظ با ث کا تلفظ ثا ہو تو اس کے اصل حرف ث اور ت کے اعداد کو زُبر کہتے اور اگر ان حروف کی مدد سے کوئی تاریخ نکالی جائے تو وہ صنعتِ زبر کہلائے گی۔

(۷) صنعتِ بیّنات ــــ حروف مسروری یعنی الف، ب جیم اور واو میں صرف ا یا ب اور ج و کے اعداد کو چھوڑ کر ل ف، اور ی، م کے اعداد بیّنات کہلائیں گے اور اگر صرف ان کے اعداد سے تاریخ نکالی جائے تو اسے صنعتِ بیّنات کہتے ہیں۔

(۸) زبر و بیّنات ــــ جب زبر اور بیّنات دونوں قسم کے حروف سے تاریخ نکالی

جائے تو اسے صنعتِ زبر و بیّنات کہتے ہیں۔

جیسے جلال لکھنوی کے دیوان اوّل کے خاتمہ کی تاریخ ان کے ایک شاگرد یاس نے یوں نکالی:

سالش بہ زُبر و بیّنات است

دیوانِ جمال با کمال این

۱۳۰۰ھ

(۹) صنعتِ تعمیہ — تاریخ گوئی کا سب سے مشہور و مقبول طریقہ یہ ہے کہ اگر مادۂ تاریخ میں کچھ اعداد زائد یا کم ہو جائیں تو اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے یا زاید کو خارج کرنے کے لیے قطعہ میں کوئی اشارہ موجود ہوتا ہے جس کے مطابق مادۂ تاریخ کے مجموعی اعداد سے اشارہ کردہ حروف کے اعداد خارج یا جمع کر دیے جاتے ہیں۔ مثلاً مادۂ تاریخ کے مجموعی اعداد سے اشارہ کردہ حروف کے اعداد اگر جمع کیے جائیں تو اسے تعمیہ تدخلہ اور اگر خارج کیے جائیں تو تعمیہ تخرجہ کہتے ہیں۔ جیسے مومن خان مومن کی تاریخ وفات:

کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب

''ارم'' میں عارف و تسکین و مومن

۲۴۱+۱۰۲۰=۱۲۶۱

داغ کی تاریخِ وفات:

''دم'' نکلتا ہے سن کے یہ تاریخ

آج راہی جہاں سے داغ ہوا

۱۳۲۲ھ=۱۴۶۶-۴۴

ان صنعتوں کے علاوہ بے شمار صنعتیں اور بھی ہیں جن کا استعمال تاریخ برآمد کرنے میں کیا جاتا ہے جن کا ذکر تفصیل سے کرنا ممکن نہیں ہے تاہم ان میں جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔

صنعتِ تضارب یا صنعتِ ضرب، صنعتِ تضاعف صنعتِ جمع اور صنعتِ ترصیع وغیرہ۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ابجد کی ایجاد عرب میں ہوئی اور اس لیے تاریخ گوئی کی ابتدا بھی عربی میں ہوئی ہے لیکن عجیب وغریب بات یہ ہے کہ تاریخ گوئی کی ایک بھی مثال عربی زبان میں موجود نہیں۔ اس موضوع پر کئی لغات، کتابیں اور مضامین لکھے جا چکے ہیں لیکن ان میں تاریخ گوئی کا ایک بھی نمونہ عربی زبان کے حوالے سے موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے فن تاریخ گوئی عربی میں مقبول نہ ہوا ہو یا اُسے عربی شاعری کے روایت میں شامل نہ کیا گیا ہو۔ لیکن جس طرح شاعری کی کئی اصناف عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو ادب میں آئیں اسی طرح سے تاریخ گوئی بھی عربی زبان سے فارسی زبان میں اور فارسی سے اردو زبان میں آئی ہے۔

ایران کے قدیم فارسی شعراء سے لے کر ہندوستانی فارسی شعراء تک تاریخ گوئی کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔ فردوسی نے اپنی مشہور کتاب ''شاہ نامہ'' کی تاریخ ۴۰۰ھ میں کہی ہے۔ تاریخ یہ ہے:

ز ہجرت شدہ پنج ہشتا دبار
کہ من گفتم ایں نامۂ نامدار

۴۰۰=۸۰×۵

یہ تاریخ صوری ہے جس میں فردوسی نے بجائے کسی لفظ یا ٹکڑے یا مصرعے کے اعداد سے مطلوبہ تاریخ نکال کر اپنے قطعے میں تاریخِ وقوعہ درج کر دی۔ اس کے علاوہ طوسی نے عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی تاریخ ''خون'' نکالی تھی جس کے اعداد ۶۵۶ھ ہیں۔ طوسی کی یہ تاریخ معنوی تاریخ ہے۔

ایران کے ایک اور شاعر خواجہ کرمانی نے مثنوی ''ہمای و ہمایوں'' کی تاریخ معنوی طریقہ سے یوں نکالی ہے:

کنم بذل بر ہر کہ داری ہوی
کہ تاریخ آں نامہ ''بذل'' است و بس

۷۳۲ھ

''بذل'' کے ایک ٹکڑے سے ۷۳۲ھ برآمد ہوتے ہیں۔ کسی ایک لفظ سے تاریخ نکالنے کا رواج قدیم زمانے میں تھا جس کے لیے شاعر ہونا ضروری نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ تاریخ گوئی کا یہ فن مشہور ہوا اور شعراء نے اس فن کی طرف توجہ دی تو پورے ایک مصرع سے مادۂ تاریخ نکالا جانے لگا اور کبھی تعمیہ تدخلہ اور تعمیہ تخرجہ سے بھی تاریخیں نکالی جانے لگیں۔

فارسی میں تاریخ گوئی کا فن ایران سے زیادہ ہندوستان میں مقبول ہوا۔ ہندوستان میں اردو شاعری کی ابتدا کے ساتھ اردو میں تاریخ گوئی کی ابتدا ہوئی لیکن فارسی کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ آج تک اکثر شعراء مادۂ تاریخ فارسی میں نکالتے ہیں جبکہ قطعہ اُردو میں لکھتے ہیں۔ میر و مرزا کے عہد میں فنِ تاریخ گوئی کا رواج عہد غالب کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ پھر بھی اس عہد میں اس کی مثالیں مل جاتی ہیں۔

مظہر جان جاناں کی شہادت پر سودا نے مندرجہ ذیل رباعی بطور تاریخِ وفات کہی:

مظہر کا ہوا جو قاتل اک مرتدِ شوم — اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات ان کی کہی بروئے درد — سودا نے کہ ''ہائے جانِ جاناں مظلوم''

چوتھے مصرعے کے ٹکڑے ''ہائے جان جاناں مظلوم'' کے اعداد ۱۱۹۱ گیارہ سو اکیانوے ہوتے ہیں لیکن تیسرے مصرعے کے ''بروئے درد'' میں یہ اشارہ موجود ہے کہ ''درد'' کے چہرہ یعنی حرف اوّل ''د'' کے چار اعداد اس میں شامل کئے جائیں۔ اس طرح تاریخ وفات کا سال ۱۱۹۵ھ نکل آیا۔

عہد غالب میں فنِ تاریخ گوئی کی حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ اس دور میں اس فن کو اس طرح صنائع بدائع سے آراستہ کیا گیا کہ یہ فن گنجینۂ صنعت کا طلسم بن گیا۔ اس دور میں

ذوقؔ غالبؔ، مومنؔ، شیفتہؔ، صہبائیؔ، مجروحؔ، قدرؔ بلگرامی، حاتمؔ علی میر سالک، امیر اللہ تسلیم، عبدالغفور نساخؔ۔ محمد علی جوؔیا مراد آبادی، تفتہؔ وغیرہ نے اس فن میں نہ صرف طبع آزمائی کی بلکہ جودتِ طبع اور حدّتِ فکر کے کیسے کیسے جوہر دکھائے۔ چند تاریخیں ملاحظہ ہوں۔

خاقانیِ ہند ذوق نے ایک فرانسیسی خاندان کی وفات پر یہ تاریخ کہی:

پرسید چوں ذوق سال تاریخ

ہاتف زدلغ گفت ''اے وائے غضب''

۱۸۳۰

اس دور کے شاعروں میں ناسخؔ لکھنوی اور مومنؔ خان مومن کو فنِ تاریخ گوئی میں خاصا ملکہ حاصل تھا۔ یہ دونوں بات بات پر تاریخیں کہتے تھے۔

مشہور ہے کہ جب میر گھسیٹا نام کے ایک شخص مر گئے تو ناسخ نے برجستہ یہ ظریفانہ تاریخ کہی:

جب میر گھسیٹا مر گئے ہائے   ہر ایک نے اپنے منہہ کو پیٹا

ناسخ نے کہی یہ سن کے تاریخ   ''افسوس کہ موت نے گھسیٹا''

۱۲۳۴ھ

مومن خان مومنؔ نے اپنے والد کے وفات کی تاریخ یوں کہی:

بہ من الہام گشت سالِ وفات

کہ غلام نبی بہ حق پیوست

۱۱۳۳ +۱۰۸=۱۲۴۱ھ

غلام نبی کے اعداد ۱۱۳۳ کے ساتھ حق کے ۱۰۸ اعداد جمع کریں تو سن وفات ۱۲۴۱ھ نکل آتا ہے۔

غالبؔ نے بھی بے شمار تاریخیں کہی ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے خطوط میں کئی جگہ

اس فن سے بے نیازی کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مادۂ تاریخ دوسرے نکالتے ہیں وہ صرف قطعہ کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی تاریخیں بہت بلند پایہ ہیں۔
نواب میر جعفر علی خاں کے انتقال پر ایک قطعہ تاریخ لکھا:

گردید نہاں میر جاں تاب دریغ　　　شد تیرہ جہاں بہ جسمِ احباب دریغ
ایں واقعہ زروئے زاری غالب　　　تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

اس میں تعمیہ تدخلہ کے طریقے سے تاریخ نکالی ہے۔ از روئے زاری یعنی "ز" کے عدد ۷ "نواب دریغ" پر جس کے عدد ۱۲۷۳ ہوتے ہیں بڑھائیں جائیں تو ۱۲۸۰ھ حاصل ہوتے ہیں۔

معاصرین غالبؔ کے علاوہ بعد کے شعرا نے بھی اس فن میں مہارت اور دلچسپی دکھائی ہے۔ اور یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ چند سالوں پہلے سینٹ جانس کالج آگرہ کے استاد، اور مشہور تاریخ گو پروفیسر حامد حسن قادری نے بھی بے انتہا تاریخیں کہیں اور انہوں نے اس فن میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ مثلاً قادری صاحب کا ایک فارسی قطعہ جو علامہ اقبال کی وفات پر کہا تھا قابل ذکر ہے۔

اس قطعے کے ہر مصرعے سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ اس کے کسی مصرعے سے سالِ ہجری ۱۳۵۷ھ اور کسی سے عیسوی ۱۹۳۸ء برآمد ہوتا ہے۔

اس کے متعلق انہوں نے خود کہا ہے کہ:

قطعہ گفتہ ام کہ ہر مصرع
شعرے شود بہ سال وفات

رفعتِ درجت

۱۳۵۸ھ

ترجمانِ حقیقت فیلسوف عصر

۱۹۳۸

سحر بیان آگاہ دل ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۳۸ء

در نظر عقیدت

۱۹۳۸ء

رفعت اقبال، آفتاب جہاں　　رفت اقبال وقت، بدر آیات

۱۳۵۷ھ　　۱۹۳۸ء

رفت اقبال و ہم گل افشانی　　رفت اقبال ورفت زیب حیات

۱۳۵۷ھ　　۱۹۳۸ء

فخر اسلام وناز عالم علم　　ناز مشرق بہترین صفات

۱۳۵۷ھ　　۱۹۳۸ء

آں قلندر صفت سخن پیرائے　　آں مثال حکیم و تقف نکات

۱۹۳۸ء　　۱۳۵۷ھ

نام اقبال روشن وشیریں　　ذات اقبال مجمع الحسنات

۱۳۵۷ھ　　۱۹۳۸ء

تربت پاک محفل قدسی　　روح پرنور و مہبط برکات

۱۳۵۷ھ　　۱۳۵۷ھ

پروفیسر حامد حسن قادری صاحب کے اس قطعے میں شعریت بھی ہے اور ہر مصرعہ سے سن وفات برآمد ہوتا ہے۔ بعض شعرا نے تو اپنے قطعات سے وقت، دن اور تاریخیں بھی نکالی ہیں لیکن عام طور پر ایسے قطعات بے کیف و بے اثر ہوتے ہیں۔ اور اس طرح کے قطعات تاریخ سے یہ فن مجروح ہو جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں بھی فن تاریخ گوئی نے اپنا وجود واثر برقرار رکھا ہے۔ اس فن سے بے نیاز ہونے کے باوجود بھی اکثر و بیشتر شعراء حضرات موقع ومحل کے مطابق قطعاتِ تاریخ کہے بغیر نہیں رہ پاتے کیونکہ یہ وہ فن ہے جس کی مدد سے سن وسال برآمد کرنے کے علاوہ تاریخی قطعوں میں اپنے دلی جذبات واحساسات کا اظہار خوبصورت پیرایۂ بیان میں کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے قطعات متعلقہ حضرات کے لیے ادبی تحفے ہوتے ہیں جو حافظے اور ڈائیریوں میں محفوظ کر دیے جاتے ہیں اور دوستوں کی محفلوں میں سنائے جاتے ہیں۔ ایسے ہی تاریخ گو شعرا میں ڈاکٹر مغیث الدین فریدی خاص اہمیت کے حامل ہیں جنہوں نے اپنے عزیزوں، دوستوں اور شاگردوں کی خوشی وغم میں شریک ہونے کے لیے اس فن کا سہارا لیا اور اس کے ذریعے اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کیا۔ اور اس طرح فریدی صاحب کو بھی اس عہد کا ایک اہم تاریخ گو کہا جانے لگا۔

ooo

نام جرنل : ششماہی **اردو نامہ**، اکیڈمک ریسرچ اینڈ ریفریڈ جرنل

مدیر : پروفیسر صاحب علی

اشاعت : نومبر ۲۰۱۳ء

ناشر : شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی

قیمت فی شمارہ : 200/- روپے

تزئین وطباعت : اردو چینل، گجانن کالونی، گوونڈی، ممبئی-۴۰۰۰۴۳

مطبع : ایان پرنٹنگ پریس، دُرگا سیوا سنگھ، گوونڈی، ممبئی-۴۳

شعبۂ اردو کا پتہ : شعبۂ اردو، پہلا منزل، راناڈے بھون، ممبئی یونیورسٹی، کالینا
سانتا کروز (مشرق) ممبئی-۴۰۰۰۹۸

خریداری کے لیے

Finance & Accounts Officer, University of Mumbai

کے نام کا چیک/ ڈی ڈی، بصدر شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی کو مندرجہ بالا پتہ پر ارسال کریں۔

Six Monthly

URDU NAMA-2

Academic Research & R efereed Journal

ISSN 2320-4885 , November, 2013

Editor: Prof. Saheb Ali

Published by: Dept. of Urdu, University of Mumbai,
Ranade Bhavan, 1st Floor, Kalina Campus,
Santacruz(E), Mumbai-400098

Price: 200/- (Per Issue)

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی کا اکیڈمک ریسرچ اینڈ ریفرڈ جرنل

ISSN 2320-4885

مدیر

پروفیسر صاحب علی

کارگزار صدر، شعبۂ اردو

ڈاکٹر معزہ قاضی

مجلس مشاورت

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی کا اکیڈمک ریسرچ اینڈ ریفریڈ جرنل
اردو نامہ 2
ISSN 2320 -4885
مدیر
پروفیسر صاحب علی
شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی